ڈاکٹر قاری محمد طاہر
مدیر ماہنامہ ''التجوید'' فیصل آباد

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یاد میں

رولے اب دل کھول کے اے چشم خوں نابہ بار

بیسویں صدی کا سورج ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو غروب ہو گیا اور اپنے ساتھ عالم اسلام کے اس نیر تاباں کو بھی لے ڈوبا جسکی تابانی علمی دنیا کو کم وبیش پون صدی منور کرتی رہی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی جو ۳۱ دسمبر سے قبل تک مدظلہ تھے اس نئی صدی کے آغاز میں رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

موت اگر گھر کے آنگن میں آئے تو ایک ہی مرتا ہے کسی نابغہ روزگار عالم کے دروازے پر دستک دے تو ایک نہیں پوری قوم کا جنازہ اٹھتا ہے۔ مولانا کی موت ایک فرد کی موت نہیں ایک ادارے کی موت نہیں ایک انجمن کی موت نہیں بلکہ لاتعداد اداروں اور لاتعداد انجمنوں کی موت ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے انتقال سے جو ادارے یتیم ہوئے ان میں دارالعلوم دیوبند دارالمصنفین اعظم گڑھ، تحقیقی مجلّہ معارف، تعمیر حیات لکھنؤ، البعث الاسلامی رابطہ ادب اسلامی یتیم ہوا۔ اکیڈیمی ادبیات دمشق، اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ سر فہرست ہیں۔ انکے علاوہ کس کس کا ذکر کیا جائے کس کس کو چھوڑا جائے سچ پوچھئے تو مولانا عرب وعجم کو یتیم کر گئے۔ رونا چھوڑ گئے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد — ولكنه بنيان قوم تهد سا

آپکا تعلق برصغیر کے عظیم سپہ سالار مجاہد اعلیٰ سید احمد شہید کے خانوادہ سے تھا۔ آپ صحیح معنوں میں انکے وارث تھے اجداد کی میراث سے آپ کو قلم بھی ملا۔ علم بھی۔ تقویٰ بھی اور تدین بھی۔ آپ نے اس آبائی وراثت سے ہوش وخرد کو بھی شکار کیا اور قلب ونظر کو بھی جلا بخشی۔ آبائی ورثہ کی پاسداری کا نتیجہ تھا کہ آپ بیک وقت عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبان پر پوری مہارت

رکھتے تھے۔ تحریر کے میدان میں اردو اور عربی آپ کی مخصوص جولان گاہ تھی۔ عربی زبان میں آپکے جوہر اردو زبان سے بھی سوا تھے۔ عربی تحریر و تقریر پر یکساں ملکہ کی بنأ پر سننے والوں کو عرب نژاد ہونے کا گمان گذرتا۔ مولانا کی کتب کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے اکثر عربی زبان میں ہیں۔ آپ کے نزدیک عالم اسلام کیلئے عربی رابطے کی زبان تھی۔ اسلیئے آپ عربی زبان وادب پڑھنے اور پڑھانے پر زور دیتے۔ ندوۃ العلماء کے نصاب میں عربی زبان کو مرکزی حیثیت سے شامل کیا۔

آپ کے نزدیک اقبال کا پیغام آفاقی ہے کیونکہ وہ اسلام اور قرآن کی بات کرتا ہے۔ آپ کی خواہش تھی کہ اقبال کے پیغام سے اہل عرب کو بھی روشناس کرایا جائے۔ تاکہ اسکے افکار میں موجود ولولہ تازہ عربوں کی زندگی میں بھی سرایت کرے انکی خواہش تھی کہ صحرا سے نکل کر جس نے روما کی سلطنت کو بدل دیا تھا اقبال کے کلام کا وہ شیر دوبارہ زندہ ہو۔ دوبارہ خواب سے بیدار ہو اور دنیا کی قسمت کو بدلنے کا فریضہ سرانجام دے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر مولانا علی میاںؒ نے روائع اقبال لکھی۔ اس کتاب کو عربوں میں بہت پزیرائی حاصل ہوئی۔ اسکے ذریعے عربوں کیلئے اقبال کا تعارف آسان ہوا اچھی بات یہ ہے کہ مولانا کی ذات عرب و عجم میں رابطہ کا ذریعہ تھی۔ انکی حیثیت ایک ایسے پل کی مانند تھی جس کا ایک کنارہ عرب ہیں اور دوسرا عجم میں اترتا ہے۔ مولانا نے اقبال کی شخصیت کو اپنے زمانہ طالب علمی میں پہچان لیا تھا چنانچہ آپ نے اسی طالب علمی کے دور میں اقبال کی ایک نظم کا عربی میں ترجمہ کیا اس ترجمہ کو لیکر وہ علامہ اقبال کی خدمت میں لاہور حاضر ہوئے۔ علامہ اقبال مولانا کے ذوق کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مولانا کے بقول علامہ نے یہ جاننے کیلئے کہ آیا یہ ترجمہ انہوں نے خود کیا ہے یا کسی اور سے کرایا ہے۔ لہذا انہوں نے عربی زبان میں کچھ سوالات کئے۔ جنکے جوابات مولانا نے نہایت فصیح عربی میں دیئے۔ علامہ خوش ہوئے اور مولانا کو دعائیں دیں۔ علم و آگہی کو مولانا پر ناز تھا۔ انہوں نے ایک نہیں سینکڑوں کتابیں لکھیں انکی ہر تحریر اہل علم کے ہاں اتھارٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ مستقبل کا ہر عالم اور محقق اپنے دعوے کی تائید میں مولانا مرحوم کی تحریر کو مستقل پیش کرتا رہے گا۔ آپ کی ایک ایک کتاب اپنی جگہ نگینہ و موتی ...... تاہم تاریخ دعوت و عزیمت اور ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین ایسی معرکۃ الارأ کتب ہیں کہ جو پورے عالم اسلام میں اہل علم سے داد وصول کرتی رہیں گی۔ ان کتب کے اردو'

فارسی، عربی، انگریزی، فرانسیسی اور ترکی زبان میں تراجم ہو چکے ہیں۔ اور یکہ نہیں ان گنت ایڈیشن چھپ کر عرب و عجم میں پہنچ چکے ہیں۔

علم و قلم کے علاوہ جہاد بھی آپ کا آبائی ورثہ تھا۔ تشکیل پاکستان کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر رہ گئی تھی۔ ہندو ذہنیت نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور یہ نعرہ دیا کہ اگر مسلمانوں کو اب ہندوستان میں رہنا ہے تو انہیں ہندو بن کر ہی رہنا ہوگا۔ مولانا نے اس مبارزت کو قبول کیا اور سینہ سپر ہو گئے اور علی الاعلان فرمایا کہ مسلمانوں کو ہندوستان ہی میں رہنا ہے۔ اور سچا اور پکا مسلمان بن کر رہنا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تشکیل پاکستان کے وقت آپکے خاندان کے دو تہائی افراد ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ لیکن مولانا نے ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کو بے یارو مددگار چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اور ہندو تعصب کے سامنے تیغ بے نیام بن کر لکھنؤ میں ندوہ ہی کے ہو رہے۔ کیونکہ اسلام کے خمیر میں کسی باطل قوت کیساتھ سمجھوتے کا کالم موجود نہیں۔ اسلام ہر حال میں اپنا تشخص برقرار رکھتا ہے بلکہ اسلام اور مسلمان کی فطرت تو یہ ہے کہ باطل سے مڈبھیڑ کے وقت ہی فولادی صفت ہوتا ہے اور اپنے سے بڑے اور طاقتور حریف کے مقابل آکر اپنے جوہر دکھاتا ہے۔ ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

چند برس پیشتر ہندوستان کی حکومت نے مسلمانوں کو دبانے اور انکا تشخص ختم کرنے کی خاطر ہندوؤں اور مسلمانوں کیلئے یکساں فیملی لاز کا قانون منظور کیا۔ مولانا اس فیصلے کے سامنے دیوار بن گئے اور حکومت پر واضح کیا کہ فیملی لاز کے سلسلے میں مسلمان کتاب و سنت کے پابند ہیں۔ شریعت اسلامیہ کے علاوہ کسی بھی قانون کی پاسداری انکے لئے محال نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ مولانا کی کوششوں سے پرسنل لاز کے معاملے میں حکومت ہند کو ہتھیار ڈالنا پڑے اور اس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے مسلمان عمائدین کے مشوروں سے نیابل پارلیمنٹ میں پیش کیا جو پاس ہوا اور مسلمانوں کا مطالبہ منظور ہو گیا۔ اسی طرح حکومت ہند نے ایک حکم نامہ جاری کیا جسکے تحت ملک کے تمام سکولوں میں بندے ماترم کا راگ گانا لازمی کر دیا گیا خصوصاً مسلمان بچوں پر یہ پابندی عائد کی

گئی کہ وہ صبح کے وقت بندے ماترم گائیں۔ مولانا نے اس پابندی کے خلاف آواز بلند کی اور فرمایا اس ترانے میں بعض بول ایسے ہیں جو مسلمانوں کے عقیدۂ توحید کے منافی ہیں لہٰذا مسلمان بچوں کو اس کا پابند کرنا سیکولرازم کے خلاف ہے۔ اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں مداخلت کے مترادف ہے جسکو مسلمان کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے۔

مولانا کو پورے عالم اسلام عرب و عجم میں انتہائی عزت و توقیر سے دیکھا جاتا تھا آپ کی بات کا اپنا وزن تھا۔ آپ کی منفرد رائے پر فیصلے تبدیل کر لئے جاتے۔ آپکے اسی مقام و مرتبے کی بنا پر ہندوستان کی حکومت اور متعصب ہندو ذہنیت ان سے قدرے مرعوب تھی اسی مرعوبیت کی بنا پر جنونی ہندو مولانا کیلئے اکثر و بیشتر پریشان کن صورتحال پیدا کرتے رہتے۔ کم و پیش برس پہلے حکومت کی سرپرستی میں مولانا کے تعلیمی ادارے ندوۃ العلماء پر بھارتی پولیس نے دھاوا بول دیا۔ طلباء کو مارا پیٹا اور بلا جواز گرفتاریاں کیں۔ مولانا نے اس ظلم و جور کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اس حکومتی جبر کو اللہ کی طرف سے آزمائش قرار دیا۔ اور طلباء کو صبر و ثبات کیساتھ آزمائش میں سرخرو ہو کر نکلنے کی تلقین فرمائی۔ ایک اسلامی مملکت ہونے کے ناتے مولانا کو پاکستان سے محبت تھی وہ پاکستان اور اہل پاکستان کی ترقی و خوشحالی کے منتظر رہے اس کیلئے دعائیں مانگتے تھے ماہ و سال کا علم نہیں ایک مرتبہ پاکستان تشریف لائے تو فیصل آباد کو عزت بخشی۔ جناح ہال میں آپ کی تقریر تھی فرمانے لگے جب پاکستان کے بارے میں عالمی سطح پر کوئی اچھی خبر سننے کو ملتی ہے تو ہم ہندوستان کے مسلمانوں کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ ہم ہندوؤں کے سامنے آنکھیں اونچی کر کے چلتے ہیں لیکن پاکستان کے بارے میں کوئی منفی خبر آتی ہے تو ہند کے مسلمانوں پر گھڑوں پانی پڑ جاتا ہے۔

آپ متعدد بار پاکستان تشریف لائے۔ علمی حلقوں نے آپ کے اعزاز میں تقاریب منعقد کیں۔ آپکے خیالات سنے۔ ان اسفار میں کی گئیں تقاریر حدیثِ پاکستان کے نام سے محفوظ ہیں۔ اس کتاب کا ایک ایک ورق اس بات کا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ آپ کاغذی طور پر ہندی شہریت رکھنے والے اصلاً پاکستانی مسلمان ہیں۔ مولانا ہندوستان میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی بقاء کی جنگ لڑ رہے تھے۔ یہ معرکہ آسان نہ تھا کیونکہ جنگ سرحدات کی ہو تو دنوں یا مہینوں میں ختم ہو جاتی ہے لیکن نظریاتی ٹکراؤ کا معرکہ مستقل ہوتا ہے۔ اور اندیشۂ زیاں ہر وقت موجود رہتا ہے اسلئے مولانا پاک

بھارت حکومتوں کے مابین اچھے تعلقات کے خواہاں تھے انکی دانست میں ان دونوں ملکوں کے مابین کشیدگی بھارت کے مسلمانوں کیلئے پریشانی کاباعث بنتی ہے۔ یہی پریشانی بھارتی مسلمانوں کے تعلیمی اور دیگر رفاہی کاموں میں رکاوٹ کا سبب بھی ہوتی ہے۔ ۱۹۷۸ء میں مولانا کی ملاقات اس وقت کے حکمران شہید جنرل محمد ضیاء الحقؒ سے ہوئی تو مرحوم نے آپ سے کہا "مولانا میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں" مولانا نے صدر پاکستان کے اس سوال کے جواب میں فرمایا۔ "سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ آپ ہندوستان سے اچھے تعلقات رکھیں تاکہ ہم اطمینان سے معتدل اور پرسکون ماحول میں اپنے تعمیری، تعلیمی ورفاہی کام انجام دے سکیں۔

مولانا کی والدہ محترمہ نے انکو آغاز تربیت میں ایک تلقین کی تھی۔ اللھم اتنی بفضلك افضل ماتئوتی عبادك الصلحین۔ اے اللہ مجھے اپنے فضل سے وہ بہتر سے بہتر عطا فرما جو اپنے نیک بندوں کو عطا فرمایا کرتا ہے۔ مولانا کے بقول آپ اس دعا کو خوب پڑھتے۔ یہ اسی دعا کا ثمر تھا کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے پورے عالم اسلام میں وہ مرتبہ ومقام عطا فرمایا جو بیسویں صدی کے کسی اور شخص کے حصہ میں نہ آسکا اس مرتبہ ومقام کے باوجود آپکی طبعیت میں عاجزی وانکساری انتہا کی تھی۔ کیونکہ تواضع، عاجزی وانکساری علم کا خاصہ ہے مولانا علی میاں اس کا پیکر تھے۔ دیکھنے والے کو ایک عام شہری بزرگ نظر آتے۔ روایتی علما کا رکھ رکھاؤ کروفر نام کو نہ تھا۔ اسکا اظہار اپنی تحریروں میں بھی فرماتے۔ اہل علم کو بخوبی معلوم تھا کہ سیرۃ النبی ﷺ کی تکمیل مولانا ابوالحسن علی ندوی کے استاد مولانا سید سلیمان ندویؒ نے کی تھی جسکی چھ جلدیں تو پہلے طبع ہوئیں لیکن ساتویں جلد کا مسودہ کئی برس تک پڑا رہا۔ اور تقریباً نصف صدی کے بعد دارالمصنفین نے شائع کیا۔ طباعت سے قبل ناظم دارالمصنفین سید صباح الدین عبدالرحمان نے مولانا ابوالحسن علیؒ سے فرمائش کی کہ وہ اس کا دیباچہ لکھیں مولانا انکار فرماتے رہے کہ استاد کی کتاب پر دیباچہ لکھنا سوء ادب بھی ہے اور جسارت بھی۔ تاہم اصرار بالتکرار پر مولانا ندوی آمادہ ہوگئے اور اسمیں لکھا: "سید صاحب کی تصنیف پر میرا مقدمہ لکھنا آثار قباحت میں سے ہے لیکن چونکہ یہ کتاب ناتمام اور مختصر ہے، اس لئے ناقص کا اس پر کچھ لکھنا قابل عفو ودرگزر ہے۔ ع دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

اس مقدمہ نگاری کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے مولانا کو ایک لاکھ روپے کا عطیہ

دیا لیکن مولانا نے حکومت پاکستان کو خط لکھا کہ میں اس قدر دانی کا مستحق نہیں۔ اس عطیہ کا نصف حصہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کو اور بقیہ نصف مولانا سید سلیمان ندویؒ کی زوجہ محترمہ جو اسوقت کراچی میں مقیم تھیں کو دے دیا جائے۔ حکومت پاکستان نے رقم مولانا کی خواہش کیمطابق تقسیم کی۔ عالم اسلام کے سربراہان خود ان سے ملنے کی خواہش کرتے ان کیلئے ہر طرح کی آسائش مہیا کرنے کی درخواست کرتے لیکن آپ عالمانہ رجائیت کیساتھ شکریہ ادا کرتے اور کسی ایسی پیشکش کو قبول نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے مرشد کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی غرض سے پاکستان تشریف لائے۔ یہ قبر سرگودھا کے نواح میں ڈھڈیاں قصبہ میں ہے۔ جنرل ضیاء الحق کو معلوم ہوا تو انہوں نے ہوائی جہاز مہیا کرنے کی پیشکش کی لیکن مولانا نے قبول نہ فرمایا۔ اور بذریعہ ٹرین سرگودھا کا سفر کیا۔

مولانا کے اوصاف حمیدہ اور خصائل جمیلہ میں ایک بہت بڑا وصف یہ تھا کہ آپ ہر کس و ناکس کے خط کا جواب ضرور تحریر فرماتے۔ اس معاملے میں اعلیٰ وارفع ادنیٰ کا پیمانہ نہیں رکھتے تھے۔ اس عاجز نے مولانا کو لکھا کہ میں ماہنامہ التجوید کا قاری عبدالباسط نمبر شائع کرنا چاہتا ہوں۔ میری خوش بختی ہو گی اگر آپ اس حوالے سے کچھ تحریر فرمادیں آپ نے جواب میں لکھا :

لکھنؤ

باسمہ تعالیٰ

مکرمی! زیدلطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج بخیر ہونگے۔ آپکا مکتوب ایک سفر سے واپسی پر بہت تاخیر سے ملا ہماری تحریر کا ایک اقتباس تجوید سے متعلق ہے وہ ہم آپ کو بھیج رہے ہیں۔ آپ اسکو اپنے ماہنامہ میں شائع کر سکتے ہیں۔ کسی مستقل مضمون کا یہ موقع نہیں اور نہ ہی ہماری صحت اور مشغولیت میں اسکی گنجائش ہے۔

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام علىٰ سيد المرسلين و خاتم النبيين واله وصحبه اجمعين ۔ اما بعد قرآن مجید کی آیات و رتل القرآن ترتیلا (اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو) سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ حروف کے صحیح مخارج اور جس زبان میں یہ نازل ہوئی ہے۔ اسکے طریق ادا کی رعایت کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اہتمام کیساتھ احترام' سکون اور موثر طریقے پر پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ ایک تاریخی "کتاب اللہ کی عظمت کا تقاضا اور توفیق الٰہی کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے

اس آخری، دائمی اور مقبول ترین کتاب کیساتھ اس اللہ نے (جس کے پیغمبر اور اللہ کے آخری نبی پر یہ صحیفہ نازل کیا گیا) جس توجہ اور اعتنا و احترام اور اسکی ادائی و فاداری کا ثبوت دیا گیا۔ اس کی نظیر (مذاہب کے تقابلی مطالعہ اور علمی و مذہبی تاریخ کی روشنی میں) کسی امت پر اس مذہب کے پابند اللہ کا نازل کیا ہوا صحیفہ اور اپنے مذہب کی سب سے زیادہ محبوب محترم اور مقدس کتاب سمجھتے ہیں۔

اسکی ایک دلیل اور ثبوت علم تجوید کا پیدا ہونا اور اسکے ساتھ امت اور اسکے علماء و حفاظ اور قراکا افہام و اعتناء اور اس کے سلسلہ میں تدقیق تحقیق اور تصنیف و تالیف ہے جسکی نظیر کسی دوسری امت، مذہب اور تصنیفی تاریخ میں نہیں ملتی اور یہ سب درحقیقت انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون کی تفسیر ہے۔ اور اس آیت کے تحقق اور صداقت کے دائرہ میں آتی ہے۔

والسلام مخلص ابو الحسن علی ندوی

مولانا فکری اعتبار سے اس بات کے قائل تھے کہ کتابی علم ضروری ہے لیکن کافی نہیں کتابی علم معلومات کی حد بندیوں تک محدود رہتا ہے لیکن انسان کو باطنی طہارت اور تعمیر اخلاق کی راہوں پر ڈالنا اس کے بس میں نہیں جبکہ تعمیر اخلاق و سیرت ہی اصل علم ہے اس مقصد کے حصول کے خاطر کتابی علم کیساتھ ساتھ کسی اہل نظر کی صحبت نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ کتاب خبر تو دیتی ہے لیکن تطہیر باطن نہیں کرتی۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

انکے نزدیک کسی اہل نظر کی صحبت ہی انسان کو معراج انسانیت سے ہم کنار کرتی ہے چنانچہ آپ نے سلوک کی منازل طے کرنے کیلئے بر صغیر پاک و ہند کی عظیم روحانی شخصیت مولانا عبدالقادر درائے پوریؒ سے رشتہ استوار کیا۔ آپ ہفتوں نہیں مہینوں انکی صحبت میں رہے۔ ملکی و غیر ملکی اسفار میں بھی یہ ساتھ رہتا۔ مولانا رائے پوری پاکستان تشریف لاتے تو علی میاں تقریباً ہمیشہ ساتھ ہوتے۔ مرشد کی معیت میں آپ متعدد مرتبہ لائل پور جو اب فیصل آباد ہے تشریف لائے۔ آپکا قیام اپنے مرشد کے ہمراہ خالصہ کالج کی مسجد میں ہوتا تھا۔ بحمدللہ راقم کو بھی اس دوران کثرت سے علی میاں کی صحبت اٹھانے کے مواقع میسر آئے۔ مرحوم کو قریب بلکہ بہت ہی قریب سے دیکھا۔ ایک مرتبہ انکے مرشد نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال

کرے گا عبدالقادر کیا لائے ہو۔ تو میں دو آدمیوں کے نام لونگا ایک منظور احمد نعمانی اور دوسرے ابوالحسن علی ندوی۔ مولانا علی میاںؒ تحریکی ذہن رکھنے والے عالم باعمل تھے۔ یہ ذہن آپکو اپنے مورث اعلیٰ جدِ امجد حضرت احمد شہید سے ورثہ میں ملا تھا۔ آپ دین و شریعت کو غالب علی کل غالب دیکھنے کے متمنی ہوتے۔ آپ نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو بر صغیر مختلف تحریکوں کی آماجگاہ تھا۔ ان تمام تحریکوں پر آپ کی نظر بڑی گہری تھی۔ ان تحریکوں میں ایک تحریک خاکسار کے نام سے اٹھی جس کے بانی علامہ عنایت اللہ مشرقی تھے۔ مولانا کی فکر اس تحریک اور بانیء تحریک کیساتھ مطابقت نہ رکھتی تھی انکا خیال تھا کہ اگر اس تحریک اور بانیء تحریک۔ کے نظریات کا راستہ نہ روکا گیا تو بہت سے مسلمان اسلام کے نام پر غیر اسلامی نظریات غیر شعوری طور پر قبول کر لیں گے۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے مولانا منظور نعمانی کو اپنے ساتھ ملایا اور علماء کی تائید و توثیق حاصل کرنے کی خاطر ملک کے دور دراز علاقوں کا دورہ کیا۔ اسی غرض سے آپ نے فورٹ سنڈیمن کا سفر بھی کیا کیونکہ وہاں انکے دوست مولانا عبدالواحد رہتے تھے۔ عالم ہونے کیساتھ انگریزی ادبیات میں انہوں نے ایم۔ اے پاس کرر کھا تھا۔ اسی سفر میں آپ نے لاہور میں مولانا مودودیؒ سے بھی ملاقات کی۔ رائے پور میں آپ مولانا عبدالقادر رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس زمانے میں مولانا الیاسؒ کی تبلیغی جماعت اپنے ابتدائی مراحل میں تھی اس جماعت کے اغراض و مقاصد جاننے کیلئے آپ دہلی نظام الدین اولیاء تشریف لے گئے مولانا الیاسؒ سے ملاقات کے بعد آپ نے اپنی تمام صلاحتیں اس جماعت کی نصرت و حمایت کیلئے وقف کر دیں۔ مولانا الیاسؒ کی رحلت کے بعد آپ نے مولانا الیاسؒ اور انکی دینی دعوت کے عنوان سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی جو علمی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔ غلبہ دین کے حوالے سے آپ کی نظر صرف بر صغیر تک محدود نہ تھی پورے عالم خصوصاً عالم اسلام میں غیر اسلامی نظریات کے اثر و نفوذ کو بھی بنظر غائر دیکھتے اور نہی عن المنکر کے حوالے سے تدارک کا انتظام فرماتے تھے۔ عالمی سطح پر ادب کے حوالے سے لادین عناصر کی جتھہ بندی کو مولانا بھانپ چکے تھے انہیں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ دین اسلام سے محبت رکھنے والے ادباء و شعراء کی بھی دنیا میں کمی نہیں تاہم رابطہ کے فقدان کے سبب ایسے ادیبوں کی آواز ہوا کا حصہ بن کر رہ جاتی ہے اور جتھہ بندی کے سبب لادین نظریات کو

قارئین کے ہاں زیادہ پزیرائی ملتی ہے اور اس طرح لادین نظریات دینی رحجان والے ادیب و شاعر حضرات میں بھی سرایت کرتے ہیں۔

اس خطرے کے پیش نظر مولانا ابوالحسن علی ندوی نے عالمی سطح پر تنظیم قائم کی جسکا نام عالمی رابطہ ادب اسلامی رکھا اس تنظیم کی شاخیں تقریباً تمام اسلامی ملکوں میں قائم ہوئیں۔ ۱۹۹۷ء میں اسلامی رابطہ اسلامی کا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہوا جس میں مولانا خود شرکت کیلئے تشریف لائے۔ صدر پاکستان نے صدارت کی۔ بھلا موت سے کسے مفر ہے۔ جو آیا اس نے دنیا میں بسنا چاہا مگر بس نہ سکا۔ اسے جانا ہی پڑا۔ اللہ نے کہا دنیا رہنے کیلئے نہیں اجڑنے کیلئے ہے آج نہیں تو کل ہر ایک کو جانا ہے۔ کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال و الاکرام دوام تو بس ایک ہستی کو حاصل ہے وہ ہستی اللہ کی ہے۔ ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: کن فی الدنیا کانك غریب دعا بر سبیل دنیا مسافر خانہ ہے یہاں مسافروں کی طرح رہو۔ کتنے بھولے ہیں وہ لوگ جو دنیا میں لمبی منصوبہ بندی کرتے ہیں بھلا پلیٹ فارم پر بھی کسی نے پختہ مکان تعمیر کیا ہے کاش اس حقیقت کو اہل دنیا سمجھ لیں یہی ایک سبق ہے جو اہل دنیا کی عقل میں نہیں آتا۔ اس سبق کو پڑھانے سمجھانا اور دل میں بٹھانے کیلئے اللہ نے رسول بھیجے ہیں۔ انبیاء وارث علماء بھی اس سبق کو پختہ کرانے کا جتن کرتے ہیں لیکن اہل دنیا بندگان فدا حرص و ہوا۔ ایسے غبی الذہن ہیں کہ یہی ایک سبق یاد نہیں رہتا درہم و دینار کا حساب بھولے سے بھی نہیں بھولتا لیکن احتساب اخروی بھولے سے بھی یاد نہیں آتا۔ مولانا ایسی شخصیت برسوں نہیں صدیوں میں پیدا ہوا کرتی ہے۔ آپ نے حیات مستعار کے پچاسی برس دنیا میں گزارے اور بزبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے آسودۂ خاکِ رحمت الٰہی ہو گئے۔

............O☆O............

خط و کتاب کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔